رسائل و مسائل:-

زکوٰۃ وعشر کے اجراء سے پیدا ہونے والے چند سوالات

سوال :- نفاذِ شریعت کے سلسلے میں ۱۲ ربیع الاوّل کے مبارک دن کو جو ابتدائی روشن اور محکم اقدامات ہوئے ہیں، اُن کے لیے بانیٔ تحریکِ اسلامی اور پوری جماعت اسلامی کو مبارک باد ہو، نیز ہر اس عالم و عامی کو جس نے اس مقصد کے حصول کی تمنا کی اور اس میں حصہ لیا۔ بعد ازاں ساری ملت کے سامنے بھی ہدیۂ تبریک پیش کرتا ہوں کہ اس کے لیے سعادت کی راہیں کھل گئیں۔

اب میرے چند سوالات ہیں، ان کا جواب مختصراً مطلوب ہے۔

۱۔ اہلِ تشیع نے زکوٰۃ وعشر اور حدود کے متعلق اختلافی نقطۂ نظر کو چھیڑ دیا ہے۔ اگر یہ طرزِ فکر جاری رہا تو اور سب گوشوں سے بھی آوازیں اُٹھ کر کثرتِ تعبیر" سے نفاذِ شریعت کو خوابِ پریشاں بنا سکتی ہیں۔ بی بی سی اس خبر سے بہت خوش ہے۔ اور اس نے دل کی بات یوں کہہ دی ہے کہ نفاذِ شریعت کوئی آسان معاملہ نہیں۔

۲۔ زکوٰۃ وعشر کے جمع و صرف میں خیانت کے سدِّباب کے بغیر آخر اہلِ احتیاج کیا کریں گے دیہات میں تو خیر ان کو پہچاننا آسان ہے، شہر میں بڑی مشکل پیش آئے گی۔ پھر مستحقین اپنے حقوق وصول کرنے کے لیے دھکے کھاتے پھریں گے۔

۳۔ موجودہ دَور میں مسافروں کے لیے کیا کام کیا جاسکتا ہے، نیز گداگری کا انسداد کیسے ہوگا۔

۴۔ زکوٰۃ کے ساتھ انکم ٹیکس کو جوں کا توں رکھنا تو یوں بھی غلط ہے۔ پھر خاص طور سے انکم ٹیکس کا تو سارا ڈھانچہ ہی غلط ہے۔ میری نظر ملازموں، ادیبوں اور صحافیوں کے انفرادی

انکم ٹیکس پر ہے، موجودہ نظام میں بڑی زیادتی ہوتی ہے۔ کیا آئندہ کوئی تبدیلی آسکتی ہے۔

۵۔ اب تک درمیانہ کلاس کے جو لوگ اپنی پس انداز رقوم فکس ڈیپازٹ میں جمع کرا کے یا سرمایہ کاراداروں میں حصہ لے کر یا کسی اور طرح اپنی رقوم کو حصولِ منافع کے لیے استعمال کرتے تھے، اب اُن کی رقوم موجودہ سودی سسٹم میں تو لگائی نہیں جائیں گی، اور شرکت و مضاربت پر اگر کہیں لگائی گئیں تو رقم ڈوب بھی سکتی ہے۔ پھر وہ سرمایہ کام میں نہ لگائیں تو زکوٰۃ عائد ہوتی ہے، اس اُلجھن کا حل کیا ہے؟

جواب:۔ (از ادارہ) ۱۔ آج تک ہمارا نقطہ نظر یہی رہا ہے اور یہی ہونا چاہیے کہ اہلِ تشیع اہلِ سنت کے ساتھ ساتھ ملتِ محمدیہ کے جز ہیں۔ وہ کوئی الگ چیز نہیں ہیں۔ جہاں تک اختلافات کا تعلق ہے وہ سیاسی ہوں یا فقہی، ہم اُن کے لیے اختلاف کا حق تسلیم کرتے ہیں، مگر جب نظام چلانے کا معاملہ آئے گا تو اختلاف برقرار رہتے ہوئے بہت سی صورتوں میں ہمیں اتحاد اختیار کرنا ہوگا۔ بلکہ کہنا یہ چاہیے کہ اظہارِ اختلاف کو محدود راہوں میں رکھ کر اتحاد و یک جہتی و ہم آہنگی کی باتیں اُٹھانی ہوں گی۔ اور اُن کے لیے عملاً راستے نکالنے ہوں گے۔

برادرانِ اہلِ تشیع کا اوّلین نقطۂ نظر تو یہ ہونا چاہیے کہ وہ اپنے آپ کو اہلِ سنت کے ہم دوش کھڑا کر کے یہ سمجھیں کہ وہ مل کر الحاد، لادینیت اور مخالفِ اسلام نظریات کے خلاف جہاد کے لیے میدان میں آئے ہیں۔ اور اگر الحاد اور لادینیت اور مخالفِ اسلام نظریات کی گندگیوں سے بچنے کے لیے انہیں اہلِ سنت کے تصورات پر استوار ہو جانے والا خدا پرستانہ نظام بھی ملے تو وہ اُسے اقرب بلکہ اپنا سمجھیں گے۔ دوسری طرف کسی ملک میں اگر اہلِ تشیع کے تصورات، الحاد اور مادہ پرستی کو شکست دے کر غالب آئیں تو وہاں کے اہلِ سنت کے لیے وہ سابق کافرانہ نظام سے ہزار درجہ بہتر ہوں گے۔

جن قوانین کا ابھی اجراء ہوا ہے، اگر اس پہلی قسط سے ہی حصے بخرے کرنے اور مختلف گروہی فقہوں کے سامنے آنے سے صورت حالات مضحکہ خیز بن جائے اور ساری مساعی کا وقار ضائع ہو تو ابھی سے بغور اس امر کو حل کرنا چاہیے۔ اگر کسی مملکت میں بھاری اکثریت ایک فقہی نقطۂ نظر کی حامل ہو تو اس میں لا آف دی لینڈ یا عمومی قانون تو بہرحال اکثریتی فقہ پر ہی چلے گا۔ دوسرے چھوٹے فقہی گروہ صرف پرسنل لا کی حد تک اپنی فقہ کے تحت فیصلے لے سکتے ہیں۔ اسی کے اُلٹ صورت ہے جو برادرانِ اہلِ تشیع کی اپنی

مملکت ایران میں درپیش ہے۔ وہاں شیعی نقطۂ نظر کی فقہ عمومی قانون کی شکل اختیار کرے گی اور اہل سنت کو پرسنل لاء میں آزادی ملے گی۔ نہ یہ کہ وہ عام ملکی قوانین اور فیصلوں میں اپنے لیے الگ حصّہ مانگیں۔ ہمارے برادران تشیع کو پاکستان اور ایران دونوں جگہ اپنی ہی دو مسلم مملکتوں کی حیثیت سے سامنے رکھ کر سوچنا چاہیے کہ دونوں طرف خیر و خوبی سے کام کس طرح چلے گا۔ ایک کا اثر لازماً دوسری جگہ پڑے گا۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ ایران کا معاملہ ایران والے جانیں، ہم اپنے ملک کے حالات میں جیسے چاہیں گے کریں گے۔ یہ طرزِ فکر اس لیے صحیح نہیں کہ اسلامی انقلابات اُٹھانے والی تحریکیں ملک ملک میں ایک دوسرے سے الگ تھلگ نہیں ہیں۔ پاکستان اور ایران کی تحریک میں بھی رابطہ ہوا۔ پورے عالمِ اسلام کو سامنے رکھنا ہے اور اصولی راستے طے کرنے ہیں کہ تمام ملکوں میں اقلیتی فقہوں کے بارے میں کیا روش صحیح ہوگی۔

یہی حقیقت تھی کہ جس کے پیش نظر ۱۹۵۱ء میں مختلف مکاتب فکر کے ۳۱ علماء نے جمع ہو کر اسلامی ریاست کے جو اصول بالاتفاق طے کیے تھے۔ ان کے ضمن میں اختلافی گروہوں کو پرسنل لاء میں اپنی فقہ کے تحت فیصلہ حاصل کرنے کا اختیار تھا، مگر ملکی قانون کے تحت سب میں طے ہو گیا تھا کہ وہ اکثریتی فقہ کے مطابق چلیں گے۔ اس موقع پر ------- اس فیصلے کو بدل کر کوئی صحت مندانہ صورت اختیار نہیں کی جا سکتی۔

برادرانِ اہلِ تشیع یہ سوچیں کہ اگر وہ زکوٰۃ فنڈ کو الگ کرا لیں، اُن کے وصول و صرف کا نظام الگ طے کرا لیں، اسی طرح تعلیمی، نشری، معاشی اور دیگر اداروں اور قومی بجٹ اور ہر شعبے میں یہ چاہیں کہ اُن کا انتظام الگ کر دیا جائے تو وہ دوسروں کے ساتھ کس بات میں مل کر چلیں گے۔

اہلِ تشیع کے وہ علماء اور رہبر شاید تدبر سے پوری طرح کام نہیں لے سکے کہ جنہوں نے اپنے لیے کچھ اس طرح کی علیحدگی پسند کی ہے جیسی قادیانیوں کو حاصل ہے۔ یہ مقام غیروں کے لیے ہے۔ آپ اپنے ہو کر خواہ مخواہ اس حد تک کیوں جانا چاہتے ہیں۔

اہلِ تشیع کو یہ سوچنا چاہیے کہ وہ اپنے مساویانہ حقوق بھی لیں اور مساویانہ مرتبے پر بھی رہیں۔ مگر کسی حالت میں ایک تو علیحدگی پسندی کے راستے پر نہ پڑیں، اور دوسرے اپنا رویّہ ایسا مزاحمانہ نہ رکھیں کہ ہماری بات مانو ورنہ ہم نفاذِ شریعت کی گاڑی چلنے ہی نہیں دیں گے۔ یہ کوئی مناسب طریقِ کار نہیں ہے۔

سائل سے گذارش ہے کہ اگر ہمارے یہ بھائی حکمت و بصیرت سے کام لے سکیں تو اُن کے حق میں بھی اور ہمارے حق میں بھی بہتر ہوگا، ورنہ یہ فرقہ وارانہ کشاکش اور فقہی انتہا پسندیاں سارے کام کو ناکام کر کے فتح کا سہرا الحاد و دہریت کے سر باندھ دیں گی۔ اور ایسے سانحے تاریخ میں پہلے بھی پیش آتے رہے ہیں۔

۲۔ زندگی میں آج جو خیانت کا طوفان درپیش ہے، اُسے دیکھ کر آپ کی پریشانی درست ہے۔ مگر زکوٰۃ و عشر کا نظام چلانے والی کمیٹیاں اگر دیانت دار افراد سے ترکیب پائیں اور ان میں مقامی ائمہ و خطیب حضرات کے ساتھ دیندار اور غیر بدنام افراد کو ملا کر کام چلایا جائے تو ضرورت مندوں کی تشخیص ہو سکتی ہے۔ اور اُن کو مجلس عام میں اور اُن کے گھروں پر جا کر نقد روپیہ یا سامانِ رسد پہنچایا جا سکتا ہے۔

شہروں میں بھی اگر وارڈوں کی زکوٰۃ کمیٹیاں قومی اتحاد کے مشورے سے بنائی جائیں تو بڑی حد تک معاملہ درست ہو سکتا ہے۔

پہلے سے ضرورت مندوں کی فہرستیں اور اُن کی ضروریات کے فارم مرتب ہو کر ڈی سی آفس میں چلے جائیں اور وہاں ضلعی زکوٰۃ کمیٹی کے سامنے تمام رپورٹیں اور فہرستیں اور فارم رکھے جائیں، کمیٹی کے مشورے سے ڈی سی منظوری دے اور ہر ضرورت مند کے لیے کارڈ بن جائے جس پہ درج ہو کہ اسے عام مالی امداد دی جائے یا غلّے کی صورت میں، یا بیماری میں اس کے علاج کے لیے اعانت چاہیے یا کسی طالب علم کے لیے کتابیں یا وظیفہ درکار ہے وغیرہ۔ مقررہ وقفوں پہ رقوم کی وصولی کے لیے تاریخیں درج ہوں، اور یہ رقم کسی بھی بنک کی شاخ یا کسی بھی ڈاک خانے سے وصول کی جا سکے۔

کمیٹیوں کی طرف سے بالفرض کسی مستحق کو دانستہ یا سہواً چھوڑ دیا گیا ہو تو وہ خود ضلعی کمیٹی کو درخواست دے سکتا ہے تاکہ اس کا معاملہ درست کر دیا جائے۔ گاؤں یا وارڈ کے لوگ تنقید و احتساب بھی کر سکتے ہیں۔

۳۔ میرا خیال ہے کہ نادار مسافروں کے لیے کچھ مدد تو مقامی کمیٹی کی طرف سے ملنی چاہیے، جبکہ انہیں کسی بیماری یا مقدمہ یا کسی اور مجبوری سے سفر کرنا پڑے۔ مسافر کو زادِ راہ مقامی طور پہ مل جائے، یا اُسے ریل کا ٹکٹ خرید کر دیا جا سکتا ہے۔

جہاں تک مسافروں کی اجنبی شہروں میں رہائش کا تعلق ہے، جہاں اُن کا کوئی اپنا رشتہ دار نہ ہو تو اُن کے لیے ایسی سرائیں بنوائی جائیں جن میں سادہ بستر دو تین روپے میں ملے اور دن بھر کا سادہ صاف ستھرا کھانا چار یا پانچ روپے میں۔ اس سے زیادہ کوئی بار اُس پر نہ پڑے۔ ایسی رعایت تین دن تک تو عام ہو، کسی خاص صورت میں قیام زیادہ کرنا پڑے تو مقامی زکوٰۃ کمیٹی کا تصدیق نامہ اس کے پاس ہونا چاہیے کہ یہ شخص مستحق ہے اور اسے فلاں کام کے لیے شہر یا قصبے وغیرہ میں رہنا ہے۔

اجرائے زکوٰۃ و عشر کے بعد گداگروں کا سڑکوں پر موجود رہنا واقعی بڑا شرمناک ہے۔

گداگروں کی دو تین قسمیں ہیں۔

ایک قسم تو جائیداد (مکان، زمین وغیرہ) رکھنے والے لوگوں کی ہے۔ وہ اپنی جائیداد پہ گذارہ کریں، یا حکومت اپنے اہتمام سے ان کی جائیداد بیچ کر یا جائیداد سے آمدنی حاصل کرکے ان کو محتاج گھروں میں رکھے اور اُن کا مال ہی اُن پر خرچ کرے۔ ایک گداگر جسمانی طور پہ معذور قسم کے ہیں۔ اُن کو محتاج گھروں میں رکھ کر زکوٰۃ فنڈ سے اُن کی ضروریات پوری کی جائیں۔ تیسری قسم گداگروں کی وہ ہے جو جائیداد تو نہیں رکھتی مگر مضبوط جسم رکھتی ہے۔ ایسے لوگوں کو محنت مزدوری کے کام دلوائے جائیں یا اُن کو کسی دستی کام کی تربیت دلوائی جائے یا اُن سے کوئی خوانچہ وغیرہ شروع کرایا جائے۔ لیکن یہ لوگ مندرجہ فہرست ہونا چاہییں تاکہ اگر اپنی جائیدادوں سے، محتاج خانوں سے، کسی دارالعلاج سے، محنت یا ٹریننگ کی کسی جگہ سے یا کسی خوانچہ ریڑھی سے بھاگ جائیں تو پھر اُن کو گرفتار کرکے پہلے بطور سزا جیل میں رکھا جائے، اور پھر انہیں راستے پر ڈالا جاسکے۔

۵۔ یوں تو ہمارے ہاں کے ٹیکس اور مالیات کے پورے ہی نظام کی تجدید کرنی ہوگی لیکن ملازموں اور دماغی کام کرنے والوں سے جو انفرادی ٹیکس لیے جاتے ہیں اُن کا سسٹم بے حد نامعقول ہے۔ نمایاں خرابیاں یہ ہیں:۔

و۔ مستثنیٰ رقم کی حد قیمتوں اور افراطِ زر کے ساتھ ساتھ بدلتی نہیں بلکہ برسوں جاری رہتی ہے۔

ب۔ بھاری کنبے والے، درمیانی کنبے اور مجرد فرد کو یکساں آمدنیوں میں سے تقریباً یکساں ٹیکس دینا پڑتا ہے۔ یہ بالکل بے تکا معاملہ ہے، یعنی آٹھ آدمیوں کا بار اٹھانے والے کو تنہا ایک آدمی کے

مقابلے میں کوئی خاص رعایت حاصل نہیں رحالانکہ میرے خیال کے مطابق بڑے کنبے (۶ تا ۱۰ افراد) والے اور درمیانہ کنبے والے (۲ تا ۵ افراد) والے اور مجرد حضرات کے لیے ٹیکس سے مستثنیٰ رقوم بحالات موجودہ علی الترتیب ۳۰ ہزار، ۲۴ ہزار، ۱۸ ہزار سالانہ ہونی چاہییے۔ اسی طرح کوئی شخص اگر اپنا آبائی یا نو تعمیر کردہ مکان رکھتا ہو تو اُسے بھی اتنا ہی ٹیکس دینا ہوتا ہے جتنا مکان کا کرایہ دینے والے کو۔ ستم یہ ہے کہ بعض صورتوں میں کرائے کی رعایت ملتی بھی ہے تو معروف گریڈوں کے ساتھ مقررشدہ کم شرح سے ملتی ہے۔ مثلاً کسی شخص کو ۶۰ یا ۱۰۰ روپے کرایہ الاؤنس ملا، حالانکہ عملاً لاہور میں ایک کمرے کا مکان دو ڈھائی سو روپے سے کم نہیں ملے گا۔ دو یا تین کمروں کا ہو تو چار یا چھ سو روپے ہیں، اس سے اوپر آٹھ سو تا بارہ سو روپے سے کم نہیں ملے گا۔ میرا خیال ہے کہ جو کچھ حقیقی کرایہ دیا جا رہا ہے اس کا دستاویزی ثبوت رسیدوں کی شکل میں اگر دیا جائے تو کرایہ کی سالانہ رقم ٹیکس سے مستثنیٰ آمدنی محسوب ہونی چاہییے۔ علاوہ ازیں پڑھے لکھے لوگ جو دماغی کام کرتے ہیں، جیسے اساتذہ، ڈاکٹر، انجینئر، ادیب، صحافی، خطیب وغیرہ، اُن کے ملاقاتیوں کا ایک بڑا حلقہ ہوتا ہے۔ اور وہ اُن کے لیے مناسب جگہ اور ضروری فرنیچر کے علاوہ تواضع کا بندوبست بھی کرتے ہیں۔ اس کا بھی استثنا ہونا چاہییے۔

زندگی کے ان حقیقی مسائل کو اعلیٰ افسران دفتروں میں بیٹھ کر سمجھ نہیں سکتے۔ اور اُن پر نگاہ رکھے بغیر ٹیکس کا عادلانہ نظام وضع نہیں کیا جا سکتا۔

۶۔ فکسڈ ڈیپازٹ یا سرمایہ کاراداروں میں رقوم رکھوانے والے حضرات کے لیے پریشانی کی کوئی بات نہیں۔ بنک کی جمع شدہ رقوم مختلف نفع آور کاموں میں لگائی جائیں گی۔ اور موجودہ سود کے بجائے، منافع اُن پر جمع ہوتا رہے گا (کسی ایک آدھ کام میں خسارہ ہو بھی تو اس کا اثر نہیں پڑے گا۔ آخر رقوم تو پھیلا کر لگائی جائیں گی۔ اور مجموعی طور پر ساری رقوم کا منافع محسوب ہوگا۔ کیونکہ بنک ہر فرد کی رقوم الگ الگ اس سے معاہدہ کرا کے نہیں لگائے گا، بلکہ اپنے کھاتہ داروں کی حاصل کردہ رقوم کو وہ ملا جلا کر آگے چلائے گا۔ اور حاصل شدہ منافع سب پر پھیل جائے گا۔

اس منافع میں سے ۲½ فی صدی زکوٰۃ نکالتے رہنے سے کوئی کمی واقع نہ ہوگی، ہاں البتہ کوئی آدمی اب گھر میں کالا دھن چھپا کر رکھے گا تو خسارے میں رہے گا۔